اقبال نے خطبہ اجتہاد کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا تھا

دس سال تک بار بار خطبے پر نظر ثانی ہوتی رہی

[اقبال اکادمی کی کتاب مرتبہ سہیل عمر میں امالی غلام محمد کے متن اور مباحث کو ساقط الاعتبار کرنے کے لیے نہایت کم زور دلیلیں ڈھونڈی گئی ہیں. خرم علی شفیق نے اپنے مضمون میں واقعاتی غلطیوں کا سہارا لے کر جو استدلال کیا ہے زیر نظر مضمون اس کے تاروپود بکھیر کر رکھ دیتا ہے. ساحل کے تبصرے اس نقد کو صیقل کرنے میں معاونت کرتے ہیں، مضمون کا متن نستعلیق میں ہے اور ساحل کا موقف نسخ میں، ساحل]

حضرت علامہ اقبالؒ چوبیس سال کے تھے جب انھوں نے علم الاقتصادیات لکھی جو اردو میں اس مضمون پر پہلی کتاب تھی[۱]۔

جدید علم کلام کی ضرورت:

حضرت علامہ اقبالؒ نے ملکی رسائل میں مقالات لکھے۔آپ نے بار بار ایسے جدید علم کلام کی ضرورت پر زور دیا جو مسلمانوں کو فکری انتشار سے نجات دلا سکے۔دوسری بات جو اس زمانے کی تحریروں میں نمایاں ہے وہ معاشرتی اصلاح کے لئے فقہ اسلامی کی نئی تعبیر کی ضرورت کا احساس ہے وہ شروع سے ہی اجتہاد کے قائل تھے اور تقلید کو قومی زندگی کے لیے خودکشی سے بدتر سمجھتے تھے بانگ درا کی ایک غزل میں جو ۱۹۰۵ء سے قبل لکھی گئی کہتے ہیں:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے[۲]

اکتوبر ۱۹۰۴ء میں مخزن میں اقبالؒ نے قومی زندگی کے نام سے مضمون لکھا اس مضمون میں بھی انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا۔

عظیم فقیہہ اور مجتہد کی ضرورت: اقبال

اگر موجودہ حالات زندگی پر غور کیا جائے تو جس طرح اس وقت ہمیں تائید اصول مذہب کے لئے ایک جدید علم کلام کی ضرورت ہے اسی طرح قانون اسلامی کی جدید تفسیر کے لئے ایک بہت بڑے فقیہہ کی ضرورت ہے جس کے قوائے عقلیہ ومتخیلہ کا پیمانہ اس قدر وسیع ہو کہ وہ مسلمات کی بنا پر قانون اسلامی کو نہ صرف ایک جدید پیرائے میں مرتب ومنظّم کر سکے بلکہ تخیل کے زور سے اصول کو ایسی سعت دے سکے جو حال کے تمدنی تقاضوں کی تمام ممکن صورتوں پر حاوی ہو جہاں تک مجھے معلوم ہے اسلامی دنیا میں اب تک کوئی ایسا عالی دماغ مقنن پیدا نہیں ہوا اور اگر اس کام کی اہمیت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام شاید ایک سے زیادہ دماغوں کا ہے......۔[۳]

اقبالؒ کے خیال میں برصغیر کی فضا ایسے خیالات کے اظہار کے لئے سازگار نہیں تھی، چنانچہ یہ بحث یہ کہہ کر ختم کر دی کہ۔

یہ بحث بڑی دلچسپ ہے مگر چونکہ قوم ابھی ٹھنڈے دل سے اس قسم کی باتیں سننے کی عادی نہیں ہے اس واسطے میں اسے مجبوراً نظر انداز کرتا ہوں۔[۴]

اقبال قانون کی تعلیم میں ناکام ہوگئے:

اقبال نے لاء کالج لاہور میں قانون کا باقاعدہ مطالعہ شروع کیا لیکن فلسفۂ قانون کے پرچے میں فیل ہونے کی وجہ سے ان کو امتحانات مکمل کرنے کی اجازت نہ دی گئی [۵]۔ تاہم اس مضمون سے ان کی دلچسپی ختم نہیں ہوئی۔ ۱۹۰۵ء میں وہ یورپ روانہ ہوئے تو وہاں فلسفہ کی تعلیم کے ساتھ قانون کے مطالعے کی طرف بھی توجہ دی۔ یورپ میں انھوں نے فلسفۂ قانون اور اصول قانون کے مضمون کا باقاعدہ مطالعہ کیا[۶]۔

خطبۂ اجتہاد کے اہم نکات:

اقبال کا اجتہاد پر مقالہ ''اسلام کے تشکیلی ڈھانچے میں اصولِ حرکت'' کے عنوان سے خطباتِ اقبال میں چھٹے خطبے کے طور پر شامل ہے۔

اقبال نے اس خطبے میں اجتہاد کے مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی ہے وہ پہلے اسلام کے سماجی ڈھانچے اور فکری تشکیل کا تجزیہ کرتے ہوئے اجتہاد کو اصول حرکت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

ترکی کا سیکولرازم اجتہاد کا متبادل ہوگیا:

تقلید کے اسباب تک تذکرے کے بعد علامہ اقبالؒ امام ابن تیمیہؒ اور ان کے اثرات کے تحت وہابی تحریک کے ہاتھوں عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ اس سے تقلید کا دور ختم ہوا اس کے بعد ماضی قریب میں وہ ترکوں کے ہاں دینی اصلاحات اور اجتہادی کوششوں کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ترکی کی قومی اسمبلی کی اس کارروائی کو جس میں انھوں نے خلافت کو ایک شخص کی بجائے اسمبلی کو تفویض کرنے کا فیصلہ کیا اجتہاد قرار

دیتے ہیں اور اس کی تائید میں مختلف مسلم سیاسی مفکرین بالخصوص ابن خلدون کے دلائل پیش کرتے ہیں۔اس موقع پر وہ ضیاء گوکالپ کی نظموں سے ترک سیاسی اور سماجی فکر کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

ترکوں کا کارنامہ تقلید ترک کرنا: اقبال:

علامہ اقبالؒ مجموعی طور پر ترک قوم کے مداح ہیں۔ان کی نظر میں ترکوں کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مسلمان اقوام میں انھوں نے سب سے پہلے تقلید ترک کر کے بیداری کی طرف قدم بڑھایا ہے اقبال لبرل یا ترقی پسندانہ تحریکوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔[**ترک تقلید کا انجام یہ ہوا کہ تمام مدارس عربیہ پر پابندی لگا دی گئی، اذان کی عربی میں ممانعت ہوئی، ٹوپی پہنا جرم قرار دیا گیا، کمال اتاترک آسمان کی طرف مکے دکھا دکھا کر اللہ رب العزت کو للکارتا تھا [نعوذباللہ] عربی زبان ختم کر دی گئی، چند سالوں میں حال یہ ہوا کہ نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کوئی میسر نہیں تھا، مجبوراً حکومت نے اسلامی ادارے قائم کرنا شروع کیے، ساحل**]

دورِ جدید میں اجتہاد کی اس تاریخ کا تذکرہ کرنے کے بعد علامہ اقبالؒ اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ آیا قانون اسلام میں ارتقاء اور ترقی کی صلاحیت موجود ہے؟

تاہم علامہ اقبال فقہ اسلامی کے ارتقاء کے بارے میں تین باتوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

۱۔عباسی دور سے پہلے مسلمانوں کے ہاں قرآن کریم کے علاوہ فقہ اسلامی تحریری صورت میں اور مدون موجود نہیں تھی۔۲۔ پہلی صدی کے وسط تک تقریباً انیس مکاتب فقہ اُبھرے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں اجتہاد کا عمل کتنا تیز اور وسیع تھا اور فقہا کیسی انتھک جدو جہد میں مصروف تھے۔[**یہ بھی اقبال کا واہمہ ہے، یہ مکاتب فکر اجتہاد کے عمل کی وجہ سے پیدا نہیں ہوئے، بلکہ اس عہد کی ہنگامہ خیز فرقہ وارانہ سرگرمیوں کے باعث برساتی کھمبیوں کی طرح اگ آئے تھے. وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا فطری خاتمہ ہوگیا اور صرف چار مکاتب فکر باقی رہ گے. اس کی تفصیل ابن حزم، شہر ستانی، عبدالقاہر بغدادی کی کتابوں میں یکھی جاسکتی ہے. معتزلہ خود ایک مکتب فکر تھے لیکن چھوٹے چھوٹے مسائل پر اختلاف کرتے کرتے معتزلہ کے ۲۳ مکاتب فکر قائم ہوگئے جو ایک دوسرے کو کافر اور جهنمی کهتے تھے، ساحل**] ۳۔اگر اسلامی قانون کے ماخذ اور ان کے بارے میں اختلاف رائے کا مطالعہ کیا جائے تو قانون اسلامی کے جامد ہونے کے نظریے کی کوئی بنیاد نہیں ملتی۔

قومی اسمبلی اجماع کی صورت: اقبال کا غلط خیال:

اجماع سے بحث کرتے ہوئے وہ اجماع کو اجتہاد کی اجتماعی شکل قرار دیتے ہیں اور موجودہ دور میں

قومی اسمبلیوں کو اجماع کی جدید صورت قرار دیتے ہوئے ان میں علماء کے بھر پور حصہ لینے پر زور دیتے ہیں۔

[اقبال کا یہ خیال بھی بالکل غلط تھا. ترکی کی اسمبلی کے کارنامے سامنے آگئے، اسلام میں اجتہاد علماء کا ہے جہلاء کا نہیں، پاکستان کی اسمبلی میں بی اے پاس بھی اقبال کے خیال میں اجتہاد کرسکتے ہیں، اجتہاد کرنا ہر عالم کا کام بھی نہیں ہر شخص اور ہر عالم مجتہد نہیں ہوسکتا. اس کے لیے خاص شرائط علم و عمل کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اجتہاد ایک عام معاملہ نہیں دین کی تشریح و تعبیر کا اہم ترین معاملہ ہے، ساحل]

خطبہ اجتہاد کب لکھا گیا؟

لیکن اصل سوال یہ ہے کہ خطبہ اجتہاد کب لکھا گیا: کیا ردعمل ہوا۔

۱۔ یہ خطبہ کب لکھا گیا؟ اور کیا خطباتِ اقبال میں شامل اجتہاد کا مقالہ وہی ہے جس کا ذکر خطوط میں آتا ہے اور جو علی گڑھ میں پڑھا گیا؟ ۲۔اس مقالے کی تیاری میں کتنا عرصہ لگا اور کیوں؟ ۳۔کیا لاہور میں جو مقالہ اجتہاد پر پڑھا گیا تھا یہی تھا؟ اور کب پڑھا گیا؟ ۴۔اس خطبے پر برصغیر کے مسلمانوں کا ردِعمل کیا تھا؟

سید عبدالواحد معینی نے خطبات کا سنِ تحریر ۱۹۲۰ء بتلایا ہے[۷]۔ جب کہ رشید احمد صدیقی کے نزدیک یہ ۱۹۲۵ء میں لکھا گیا[۸]۔

علماء کرام سے خطبہ اجتہاد کے لئے اقبال کے مشورے:

اس مقالے کی تیاری کے دوران علامہ اقبال نے بہت سے علماء سے مشورے لئے اور کئی سے خط وکتابت کی ان خطوط کی تاریخوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کن دنوں میں اس مقالے کی تیاری میں مصروف تھے اس سلسلے میں مولانا سلیمان ندوی کو جو خط لکھے گئے ان کا سال ۱۹۲۴ء ہے[۹] اسی ضمن میں اقبالؒ نے مولانا عبدالماجد دریابادی کو جو خط لکھا اس کی تاریخ ۲۲ مارچ ۱۹۲۵ء ہے[۱۰]۔اس سلسلے میں تاہم یہ بات قابلِ غور ہے کہ مولانا دریابادی کو خط مقالہ کی تکمیل کے بعد لکھا گیا کیونکہ اس میں مقالے کے بارے میں دریابادی کی رائے کا ذکر ہے۔

خطبۂ اجتہاد کئی سال میں لکھا گیا:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے یہ مقالہ کئی سال میں لکھا۔اس کی ایک شہادت علامہ اقبالؒ کا ایک خط ہے جو انھوں نے اپنے دوست سعیدالدین جعفری کو ۱۳ اگست ۱۹۲۲ء کو لکھا۔اس میں فرماتے ہیں۔

آج کل کچہری بند ہے میں ایک مفصل مضمون انگریزی میں لکھ رہا ہوں جس کا عنوان ہے The Idea of Ijtihad امید ہے آپ اسے پڑھ کر خوش ہوں گے۔[۱۱]

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۲ء میں علامہ اقبالؒ اس مقالہ کی تیاری میں مصروف تھے۔ [ہمارے خیال میں تیاری ۱۹۲۰ء سے ہو رہی تھی لکھنے کا کام ۱۹۲۲ء میں ہوا، ساحل] رشید احمد صدیقی کی ملاقات اقبال سے جون ۱۹۲۵ء میں ہوئی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

فقہ اسلامی میں اجتہاد کے مسئلہ پر وہ انگریزی میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ مسودہ بھی ٹائپ ہو چکا تھا۔ فرمایا ان مسائل پر بعض مستند علماء سے تبالہٗ خیالات کرنا چاہتا ہوں کون لوگ ایسے ہیں جن سے رجوع کرنا سود مند ہوگا۔ عرض کیا...... خیال ہے کہ آپ کے سامنے مسائل کی جو نوعیت سے اس پر اگر مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی سے رجوع کیا جائے تو بہتر ہوگا۔[۱۲]

صدیقی صاحب کے بیان کے مطابق جون ۱۹۲۵ء میں مقالے کا پہلا مسودہ مکمل ہو گیا تھا اور اب وہ علماء سے اس پر رائے طلب کرنا چاہ رہے تھے۔ علامہ نے ندوی صاحب کو جو خط لکھا اس کی تاریخ ۱۸/اگست ۱۹۲۴ء ہے اس خط میں انھوں نے کچھ سوالات پیش کئے ہیں تاہم اس خط میں مقالہ کی تکمیل کا ذکر نہیں۔ اسی خط میں اقبال یہ بھی لکھتے ہیں کہ

''میں نے مولوی ابوالکلام صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے۔[۱۳]

خطبہ اجتہاد کی تکمیل کے بعد بھی نظر ثانی جاری رہی:

اس کے برعکس مولانا دریابادی والے خط سے مقالہ کی تکمیل کا پتہ چلتا ہے جس کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مقالہ ۱۹۲۵ء سے قبل مکمل ہو گیا تھا تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ مقالہ کی تکمیل کے بعد اور علماء حضرات کی آراء سے استفادے کے دوران بھی علامہ اقبالؒ مقالے پر نظر ثانی کرتے رہے۔ اس کی مزید تفصیل ہمیں ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے مضمون سے ملتی ہے ان کی معلومات اتنی اہم ہیں کہ اس کا خلاصہ پیش کرنا ضروری ہے۔

کیا اغنا دیس کی کتاب خطبہ اجتہاد کا محرک بنی؟

''نیو یارک میں ایک صاحب چوہدری رحمت علی خان تھے جو ایک قومی تحریک کے بانی تھے اور انھوں نے مالی وسائل فراہم کر کے لاجپت رائے اور ٹیگور جیسی شخصیتوں کو امریکہ بلوایا تھا۔ سیاست کے علاوہ انہیں علمی موضوعات سے بھی دلچسپی تھی چنانچہ جب اسلامی مالیات کے بارے میں اغنادیس [اغنی دیس] کی کتاب ان کی نظر سے گذری تو انھوں نے ۱۹۲۳ء میں یہ کتاب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کو لاہور بھجوائی اور درخواست کی کہ علامہ اقبال کی اس کتاب کے بارے میں رائے معلوم کریں۔ چغتائی صاحب نے یہ کتاب علامہ اقبال کو پہنچا دی اغنادیس [اغنی دیس] نے اجماع کے مسئلے پر کچھ چونکا دینے والی باتیں کہی تھیں [پروفیسر مرزا محمد منور نے اس چونکانے والی کتاب کے حوالے سے علامہ اقبال

کے جذبات کی منظر کشی اس تقریر میں کی ھے جو پاکستان اسٹڈی سینٹر کے سیمینار میں کی گئی تھی، اس تقریر سے اندازہ ھوتا ھے کہ اقبال کو اغنی دیس کی کتاب میں نئی باتیں معلوم کر کے کس قدر خوشی ھوئی تھی اور ان کے مطلب کی چیز انھیں مل گئی تھی، کیونکہ ان دنوں اقبال علماء سے بھت قریب نھیں تھے اور مغربیت سے بے حد مرعوب تھے اور مغرب سے متاثر ھونے کی بدعت میں مبتلاتھے، ساحل] انہی دنوں علامہ اقبالؒ کا لدھیانہ جانا ہوا۔ آپ نے ان مسائل پر مختلف علماء سے استفادہ کیا۔ پھر خطوط کے ذریعے اور بالمشافہ ان مسائل پر مختلف علماء سے معلومات حاصل کرتے رہے۔ اسی دوران الموافقات بھی زیر مطالعہ آئی۔ جب علامہ مطمئن ہوگئے تو متذکرہ کتاب [یعنی اغنا دیس کی کتاب] کو سامنے رکھ کر آپ نے انگریزی میں ایک مقالہ الاجتہاد فی الاسلام کے عنوان سے لکھنا شروع کیا جب مسودہ ٹائپ ہورہا تھا تو گرمی کی تعطیلات کے دن تھے۔ مکمل ہوا تو اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبہ ہال میں ۱۳؍دسمبر ۱۹۲۴ء کو شیخ القادر کی صدارت میں پڑھا گیا۔ اجلاس میں لاہور کے سرکردہ لوگ شامل تھے۔ مولانا ظفر علی خان بھی موجود تھے انھوں نے مقالہ کے اردو ترجمہ کی ضرورت کا اظہار کیا تو اقبال نے کہا ''مضمون ابھی نا مکمل ہے اور اس کا مقصد محض لوگوں کو اس موضوع کی طرف متوجہ کرنا ہے اس لئے فی الحال اس پر کسی قسم کی تنقید یا تبصرے کی ضرورت نہیں''۔ مگر اخبارات میں اس علمی کارنامہ کا دور دور تک چرچا ہوا۔ [۱۴]

چغتائی صاحب کے بیان سے بہت سی اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہم باقی نکات کا ذکر تو اسی وقت کریں گے جب ان کا موقع ہوگا فی الحال مقالے کی تحریر کے بارے میں جو باتیں معلوم ہوئی ہیں ان پر غور کرلیا جائے۔

خطبہ اجتہاد پر کئی مرتبہ نظر ثانی ہوئی:

اوپر کے مباحث سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر یہ مقالہ لاہور کے اجلاس ۱۹۲۴ء میں پڑھا گیا تو یہ بات تو یقینی طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ مقالہ ۱۹۲۴ء میں مکمل ہوچکا تھا۔ تاریخ کا تعین مقالے کی اندرونی شہادتوں کی بنیاد پر بھی کیا جاسکتا تھا مثلاً اس میں جن کتابوں کا ذکر ہے ان کے سن طباعت اور برصغیر میں دستیابی کی تاریخوں سے مقالے کی تاریخِ تحریر متعین کی جاسکتی ہے لیکن یہ طریقہ بھی اس لئے یقینی اور حتمی نہیں ہوگا کہ مقالے پر نظر ثانی کئی مرتبہ ہوئی ہے اور ان کتابوں سے کسی بھی مرحلے پر استفادہ ہوسکتا ہے۔ عین ممکن ہے مقالہ بہت پہلے لکھا جاچکا ہو اور یہ کتابیں بعد میں ملی ہوں اور نظر ثانی کے مرحلے پر انہیں بھی شاملِ مطالعہ کرلیا گیا ہو۔

علماء کے خوف سے مقالہ اجتہاد مدراس میں پیش نہیں کیا گیا:

۳۔ چغتائی صاحب کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالے کی شہرت سُن کر اہل مدراس

نے علامہ اقبال کو خطبات کی دعوت دی وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مدراس میں چھ لیکچر ہونا تھے لیکن مدراس روانگی سے قبل علامہ اقبالؒ صرف تین لیکچر تیار کر پائے اس سے بظاہر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو تین لیکچر تیار ہوئے تھے ان میں سے ایک تو یقیناً مقالۂ اجتہاد ہوگا۔ لیکن جیسا کہ ہم بعد میں دیکھیں گے جو لیکچر مدراس میں دیے گئے ان میں عام طور پر مقالۂ اجتہاد کا ذکر نہیں ملتا۔ بلکہ اس لیکچر کے بارے میں عموماً یہ کہا گیا ہے کہ یہ علی گڑھ میں ۱۹۳۰ء میں دیا گیا۔ [اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مقالہ اجتہاد پر ماجد دریا آبادی کے سخت نقد نے اقبال کو مجبور کیا کہ وہ بار بار نظر ثانی کریں اسی لئے یہ مقالہ ۱۹۳۰ ء میں علی گڑھ میں پیش کیا گیا. ۱۹۲۴ ء میں لاھور میں اس مقالے کو پیش کرنے پر شدید رد عمل ھوا تھا جس کا اظھار اقبال نے اکبر شاہ نجیب آبادی کے نام خط اور صوفی تبسم کے نام خط میں کیا ھے اور اسی خوف سے اقبال نے ظفر علی خاں کو مقالہ اجتھاد کے ترجمے کی اجازت بھی نھیں دی تھی، سلیمان ندویؒ کے نام کسی خط میں اقبال نے خطبہ اجتھاد پر علماء کے ردعمل کا اظھار نھیں کیا، اس سکوت کی تشریح ناظم اقبال اکادمی کرسکتے ھیں، ساحل]

اگر ان باتوں کو صحیح مان لیا جائے تو مسئلہ بے حد اُلجھ جاتا ہے۔ دوسری شہادتوں اور خصوصاً چغتائی صاحب کے بیان کے مطابق مقالۂ اجتہاد مدراس روانگی کے سال ۱۹۲۸ء سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ اگر یہ مکمل ہو چکا تھا تو مدراس میں کیوں نہیں پڑھا گیا جبکہ علامہ اقبال وعدہ کے مطابق چھ لیکچر مکمل نہ کر پائے تھے۔ قدرتی بات تو یہ ہے کہ جب یہ مقالہ مکمل تھا تو پہلے اسی کو پڑھا جانا چاہیے تھا چونکہ پڑھا نہیں گیا اسلئے مندرجہ ذیل باتیں کہی جاسکتی ہیں۔

۱۔ یہ مقالہ اس وقت تک یعنی ۱۹۲۸ء تک مکمل نہیں ہوا تھا۔

۲۔ مقالہ تو مکمل تھا لیکن علامہ اس سے مطمئن نہیں تھے اس لئے پڑھا نہیں گیا۔

۳۔ مقالہ تو مکمل تھا لیکن اہلِ مدراس نے جن موضوعات پر خطبات کی دعوت دی تھی ان میں یہ مقالہ شامل نہیں تھا۔

خطبۂ اجتہاد پر علماء کا شدید ردعمل:

علامہ اقبالؒ نے یہ مقالہ لاہور کے ایک اجلاس میں پڑھا۔ زمیندار لاہور کی ۱۵ ردسمبر ۱۹۲۴ء کی اشاعت میں صفحہ تین پر ایک اشتہار شائع ہوا جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے ''علامہ اقبالؒ کا خُطبہ، الاجتھاد فی الاسلام'' آج شنبہ مورخہ ۱۳ ردسمبر کی شام ساڑھے چھ بجے اسلامیہ کالج کے حبیبہ ہال میں علامہ سر شیخ محمد اقبال مدظلہ العالی ایک نہایت اہم مضمون پڑھ کر سُنائیں گے۔ مضمون کا موضوع الاجتہاد

فی الاسلام ہوگا۔جلسلہ کی صدارت کے لئے شیخ عبدالقادر نائب صدر مجلس وضع قوانین پنجاب کا نام تجویز کیا گیا ہے۔مضمون انگریزی زبان میں سُنایا جائے گا۔[۱۵] یہ مقالہ پڑھا گیا اور اس پر شدید ردعمل ہوا مولوی دیدارعلی نے علامہ کے کفر کا فتویٰ جاری کیا۔[اقبال اس ردعمل کے لیے تیار نہ تھے، انھیں اندازہ تھا لیکن اس قدر شدید ردعمل کا اندازہ نہیں تھا جس کے باعث اقبال نے اس خطبے پر بار بار نظر ثانی کی سہیل عمر اور خرم شفیق لکھتے ھیں اقبال کو علماء کی پروا نہ تھی، وہ علماء سے ڈرتے نہ تھے اگر یہ بات درست تسلیم کرلی جائے تو دس سال تک خطبہ اجتہاد میں ترمیم نظرثانی التواء تاخیر علماء سے ملاقاتوں، بار بار مشوروں کی کیا ضرورت تھی. خطوط اقبال یہ تفصیلات نہیں بتاتے لیکن چغتائی صاحب کا مضمون اس صورت حال کو واضح کر دیتا ھے، ساحل]

اس سلسلے میں سب سے قوی شہادت تو خود علامہ اقبالؒ کا خط ہے جو انھوں نے مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی صاحب کو لکھا۔

''کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسے میں پڑھا گیا انشاءاللہ شائع بھی ہوگا۔مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا۔بہر حال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی جب آپ لاہور تشریف لائیں گے......''[۱۶]

خطبہ اجتہاد کے پڑھے جانے کے ضمن میں دوسری شہادت روزگار فقیر سے ملتی ہے۔

''ممتاز حسن صاحب نے علامہ کو سب سے پہلے ۱۹۲۵ء میں دیکھا جب وہ ''اسلام اوراجتہاد'' کے موضوع پر لیکچر دینے کے لئے اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبہ ہال میں تشریف لائے۔تقریر کے دوران میں جب انھوں نے ترکی شاعر ضیاء کی نظم پڑھی تو آواز میں خاصا جوش پیدا ہوگیا''۔[۱۷]

اس بیان میں ترکی شاعر ضیاء کے ذکر سے یہ بات تو یقینی ہو جاتی ہے کہ یہ لیکچر موجودہ خطبۂ اجتہاد ہی تھا۔البتہ اس کا سال ۱۹۲۵ء بیان کرنے میں مغالطہ ہوا ہوگا ویسے بھی ذکر چونکہ دسمبر ۱۹۲۴ء یعنی ۱۹۲۴ء کے اختتام کا ہے۔ایسی غلطی بعید از عقل نہیں تاریخ کی صحت کے بارے میں یادداشتوں میں غلطی اکثر ہوتی رہتی ہے۔فقیر سید وحیدالدین ممتاز حسن صاحب کی جس ملاقات کا ذکر ۱۹۲۵ء میں کر رہے ہیں خود ممتاز صاحب اسے ۱۹۲۶ء میں ہونے کا ذکر کرتے ہیں[۱۸] اس قسم کے مغالطے کی مثال غلام جیلانی برق

صاحب کی یادداشتوں میں بھی ملتی ہے۔

اقبال کے خطبات کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے: جیلانی برقؔ

رحیم بخش شاہین نے غلام جیلانی برق صاحب کی زبانی روایت کی ہے کہ جب علامہ اقبالؒ کے مدراس والے لیکچرز کی شہرت پنجاب کے علمی حلقوں تک پہنچی تو سر عبدالقادر، ڈاکٹر تاثیر اور مولانا غلام رسول مہر نے علامہ سے التماس کی کہ وہ اہل لاہور کے سامنے بھی یہ خطبے ارشاد فرمائیں۔ چنانچہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے ہال میں یہ سلسلہ شروع ہوا۔ برق صاحب کا کہنا ہے کہ ان خطبات کی زبان کی پیچیدگی اور ندرت فکر کا یہ عالم تھا کہ یہ خطبے کسی کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔[اس زمانے کے اهل علم جن کی عربی، فارسی، انگریزی دانی مسلم تهی اور همارے زمانے کے اهل علم سے فائق تر جب خطبات ان کی سمجھ میں نهیں آسکے، تو نئی نسل ان خطبات سے کیا سمجھے گی، پهر یه بهی که اقبال نے خطبات سے رجوع کرلیا اور علماء کے موقف پر قائم رهے، ساحل][۱۹]

حنیف شاہد نے انجمن حمایتِ اسلام کی دستاویزات کا مطالعہ کر کے تفصیلات مہیا کی ہیں کہ خطباتِ اقبال میں سے اکثر خطبات مدراس روانگی سے پہلے انجمن کے سالانہ جلسوں میں پڑھے گئے۔

خطبہ اجتہاد کی مخالفت نے شدید ابہام پیدا کر دیا:

خطبہ اجتہاد: صحیح تاریخ و مقام کا تعین آج تک نہیں ہوسکا:

اس سے اس شُبہ کو بھی تقویت ملتی ہے کہ خطبہ اجتہاد خطبات مدراس کے سلسلے میں شامل نہیں تھا۔ تاہم یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ مقالات مدراس روانگی سے پہلے لاہور میں پڑھے گے۔

مندرجہ بالا بحث سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اس خطبہ اجتہاد کی تحریر اور لاہور میں اس کے پڑھے جانے کی تاریخ کا تعین کتنا مشکل ہے۔ روایات میں اس قدر اختلاف یا ابہام ہے کہ کوئی بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی۔ اور یہ ابہام اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جب ہم اس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مقالہ مدراس میں پڑھا گیا یا علی گڑھ میں یا حیدرآباد میں؟ اور کب پڑھا گیا؟ پڑھا بھی گیا یا نہیں؟

خطبات کے سلسلے میں اسفار اقبال:

خطباتِ مدراس کے سلسلے میں علامہ اقبالؒ نے جنوبی ہند اور وسطی ہند کی طرف دو دفعہ سفر کئے ان کی روئداد روزنامہ انقلاب میں شائع ہوتی رہی۔ یہ روئیداد بصورت خبر نامہ اور رپورتاژ اکثر چوہدری محمد حسین کی زبانی تھی جو علامہ کے ہمسفر تھے۔[۲۲]

پہلی مرتبہ علامہ ۳۱/دسمبر ۱۹۲۸ء کو لاہور سے روانہ ہوئے دہلی سے ہوتے ہوئے ۳/جنوری

۱۹۲۹ء کو مدراس پہنچے اور ۹ جنوری تک یہاں قیام رہا۔ پھر ۱۰ سے ۱۲ جنوری تک حیدر آباد رہے اور ۲۱ جنوری کو واپس لاہور پہنچ گئے۔ دوسری مرتبہ سفر نومبر ۱۹۲۹ء میں پیش آیا۔ اس مرتبہ آپ نے ۱۷ نومبر سے ۲۸ نومبر تک علی گڑھ میں قیام کیا۔ پھر غالباً جنوبی ہند بھی تشریف لے گئے۔

رپورٹوں کے مطابق مدراس میں پہلا لیکچر مسلم دینیات اور جدید فکر کے عنوان سے ۵رجنوری ۱۹۲۹ء کو دیا دوسرا لیکچر مدراس میں ہی ۷ جنوری ۱۹۲۹ کو دیا جس کا عنوان تھا۔ مذہبی تجربات کے کشف والہامات کا فلسفیانہ امتحان [۲۳]۔ ان عنوانات کی صحت کے بارے میں بھی یقین نہیں۔ پھر یہ کہ اس دوسرے عنوان کا خطبہ تو مطبوعہ مجموعہ خطبات میں ملتا ہے۔ پہلے لیکچر کے عنوان سے نہیں ملتا۔ اس ابہام میں مزید اضافہ اس رپورٹ سے ہوتا ہے۔ جو ۲۰رنومبر ۱۹۲۹ء کے علی گڑھ کے لیکچر کے بارے میں دی گئی ہے۔

''آپ نے ابتدا میں وقت کی ضروریات کے لحاظ سے شریعت اسلامی پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہوئے اپنا پہلا خطبہ سنایا جو گذشتہ جنوری میں مدراس میں سنایا جا چکا تھا''۔[۲۴]

مقالہ کئی سال میں لکھا کئی بار نظر ثانی ہوئی:

تاہم قرین قیاس یہی ہے کہ سر دست جو بات قرینِ قیاس ہے وہ یہ ہے کہ خطبہ اجتہاد والے مقالے کا پہلا مسودہ ۱۹۲۴ء میں مکمل ہو چکا تھا اور یہ مقالہ لاہور میں ۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء کو پڑھا گیا پھر یہ مقالہ مدراس میں ۵ جنوری ۱۹۲۹ء کو مسلم دینیات اور جدید فکر کے عنوان سے پیش کیا گیا اور دوبارہ علی گڑھ یونیورسٹی میں ۲۰ نومبر ۱۹۲۹ء کو پڑھا گیا۔ تاریخوں میں التباس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں لیکن غالباً سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ علامہ نے یہ مقالہ کئی سال میں لکھا اور کئی بار نظر ثانی کی۔ اگر مقالے کا اصل مسودہ یا مسودات دستیاب ہوں تو ہوسکتا ہے اس سے تحریر کی تاریخ کا تعین ہو سکے اور یہ بھی معلوم ہو سکے کہ نظر ثانی کے دوران کیا تبدیلیاں یا درستیاں کی گئیں اور یہ کہ موجودہ مطبوعہ مقالہ کس حد تک اصل سے مختلف ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود مقالے کا مسودہ دستیاب نہیں ہوسکا۔ سید عبدالواحد معینی نے بھی اس کو تلاش کیا ہے لیکن انہیں بھی یہ مسودہ نہیں مل سکا۔[۲۵] جسٹس جاوید اقبال کو بھی اس مسودے کے بارے میں کوئی علم نہیں [۲۶] [سب سے دلچسپ بات یہ ھے کہ خطبات کے مباحث کے سلسلے میں اقبالؒ نے سلیمان ندویؒ اور ماجدؒ دریا آبادی سے جو خط و کتابت کی وہ محفوظ نہیں رکھی گئی. اقبال نے خطوط میں بار بار لکھا ھے کہ وہ اکبر اور سلیمان ندوی یعنی ''پیرو استاذ الکل'' کے خطوط محفوظ رکھتے ھیں لیکن جاوید اقبال فرماتے ھیں کہ وہ خطوط پڑہ کر تلف کر دیتے تھے. جاوید اقبال جھوٹ بول سکتے ھیں، اقبال جھوٹ نہیں بول سکتے یہ خطوط جان بوجھ کر تلف کیے گئے

تاکہ اقبال کا رجوع ثابت نہ ہو، ساحل]

مقالہ اجتہاد: کئی سال کیوں لگے؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علامہ کو خطبہ اجتہاد کی تیاری میں اتنے سال کیوں لگے؟

دراصل علامہ اقبالؒ اتنے اہم اور نازک موضوع پر قلم اُٹھا رہے تھے جس میں علماء کے ایک طبقے کی جانب سے مخالفت یقینی تھی۔ اسی اندیشے کے پیشِ نظر آپ نے احتیاط میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ موضوع کی نزاکت کے احساس کا ذکر تو اُن کے ۱۹۰۴ء کے مضمون ''قومی زندگی'' سے بھی پتہ چلتا ہے جس میں انھوں نے فرمایا تھا کہ قوم ابھی ٹھنڈے دل سے اس قسم کی باتیں سننے کی عادی نہیں اس واسطے میں اسے مجبوراً نظرانداز کرتا ہوں۔ [۲۷] اس اندیشے کا اظہار تقریباً انہی الفاظ میں خطبۂ اجتہاد میں بھی ملتا ہے فرماتے ہیں:

> ''مجھے یقین ہے کہ اگر اسلام کے کثیر التعداد فقہی ادب کا مطالعہ کیا جائے تو عصر جدید کے ناقد کی اس سطحی رائے کی یقیناً تردید ہوگی کہ اسلامی قانون جامد ہے اور ترقی کی اہلیت نہیں رکھتا۔ بدقسمتی سے اس ملک کے قدامت پسند لوگ ابھی فقہ کے تنقیدی مطالعہ کے لئے تیار نہیں۔ یہ مطالعہ اکثر لوگوں کو ناگوار گزرے گا اور اس سے فرقہ وارانہ مناظروں کا راستہ کھلے گا۔ تاہم میں موضوع زیر بحث کے بارے میں چند باتیں کہنے کی جسارت کرتا ہوں''۔ [۲۸]

اقبال نے خطبہ اجتہاد کی تشہیر سے احتراز کیا:

یہی اندیشہ تھا جس نے اقبال کو اس بات پر مجبور کیا کہ ان کے اس خطبے کی زیادہ تشہیر نہ ہو۔ بقول ڈاکٹر چغتائی علامہ اقبالؒ نے نہ صرف اس مقالے کے اردو ترجے سے مولانا ظفر علی خان کو منع کیا بلکہ اس کے سلسلے میں خبروں اور تبصروں سے بھی منع کیا۔ کیا علامہ کے یہ اندیشے درست تھے اس کا ذکر ہم اگلے حصے میں کریں گے۔ فی الحال ہم یہ جائزہ لیں گے کہ اس اندیشے کے پیشِ نظر علامہ اقبالؒ نے کیا احتیاطیں کیں۔

اقبال نے خطبہ کے لئے کئی علماء سے استفادہ کیا:

۱۔ سب سے پہلے تو علامہ نے اس مقالے کی تیاری میں جلدی نہیں کی بلکہ تقریباً ۴ سال اس کے لکھنے میں لگائے اور اس کے بعد بھی اس پر مسلسل نظر ثانی کرتے رہے۔

۲۔ دوسرے انہوں نے اس مقالے کی تیاری میں اس کے بعد بھی علمائے وقت سے استفادہ جاری رکھا۔ اس استفادے کی صورتیں مختلف تھیں۔ آپ نے علما سے ملاقاتیں بھی کیں، خط و کتابت بھی کی اور اپنا مقالہ بھی ان کی رائے کے لئے بھیجا۔ [سہیل عمر اور خرم شفیق ان

تمام مراحل سے صرف نظر کرتے ھیں اور سادہ طور پر خطبات پر اقبال کی نظرثانی، رجوع کے معاملے کو مسترد کر دیتے ھیں جب کہ بے شمار اندرونی و بیرونی شہادتیں اور اب خود سید سلیمان ندویؒ کی قوی ترین شہادت کافی ھے کہ اقبال نے خطبات کے مباحث سے رجوع کرلیا تھا، ساحل]

علامہ نے مقالہ کی تحریر کے دوران جن علماء سے استفادکیا ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

لدھیانہ میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مفتی محمد نعیم لدھیانوی، میاں عبدالحئی اور مولانا محمد امین وغیرہ سے ملاقات کے لئے گئے اور بالمشافہ تبادلہ خیال کیا[۲۹] لاہور میں مولانا غلام مرشد اور مولانا اصغر علی روحی سے رابطہ قائم کیا[۳۰] خطوط کے ذریعے آپ نے مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزادوغیرہم سے استفادہ کیا[۳۱] جن لوگوں کو مقالہ بھیج کر رائے طلب کی ان میں مولانا عبدالماجد دریابادی بھی شامل تھے۔[۳۲][ان علماء کے سوا اقبال نے اور کن کن لوگوں سے رابطہ کیا اس کی تفصیل ھمیں ان خطوط سے مل سکتی تھی جو اقبال کے نام لکھے گئے لیکن جاوید اقبال فرماتے ھیں کہ اقبال سب خط تلف کر دیتے تھے یہ عجیب بات ھے اور اپنے بیان کی چغلی خود کھا رھا ھے، ساحل]

مولوی احمد دین امرتسری سے ملاقات سے اقبال کا احتراز

مغربی اصول فقہ کے تحت اسلامی اصول فقہ کی تالیف:

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے مولوی احمد دین امرتسری کا نام بھی تجویز کیا اور ان سے علامہ کی ملاقات کی کوشش بھی کی لیکن علامہ نے معذرت کرتے ہوئے لکھا:

> مذکورہ بالا حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یقین ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو میرے ساتھ تبادلہ خیال کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا[۳۳]

تاہم معلوم ہوتا ہے صوفی غلام مصطفیٰ تبسم نے مولوی احمد دین صاحب سے ملاقات پر اصرار کیا چنانچہ ۵ ستمبر ۱۹۲۵ء کو علامہ اقبالؒ مولوی احمد دین صاحب کے منتظر رہے لیکن غالباً مولوی صاحب تشریف نہیں لائے چنانچہ علامہ نے تبسم صاحب کو وضاحت سے لکھا۔

> سردست اجتہاد تو نہیں اور بہت سے امور ہیں جن کے متعلق میں ان سے فائدہ اُٹھا سکتا ہوں۔[۳۴]

شاید اس کے بعد بھی تبسم صاحب کا اصرار رہا تو علامہ نے بڑی تفصیل سے لکھا:

''مجھ کو ان [مولوی احمد دین امرتسری] کے خیالات سے کسی حد تک پہلے بھی آ گاہی ہے کیا ہی اچھا ہو کہ وہ شریعت محمدیہ پر ایک مبسوط کتاب تحریر فرمائیں جس میں عبادات و معاملات کے متعلق صرف قرآن سے استدلال کیا گیا ہو...... ہندوستان میں تو شاید اس کے مقبول ہونے کے لیے مدت درکار ہے ہاں دوسرے اسلامی ممالک میں اس کی ضرورت کا احساس ہر روز بڑھ رہا ہے شیخ علی رازق [۳۵] اور دوسرے علمائے مصر کے مباحث سے مولوی صاحب آ گاہ ہوں گے۔ علی ہذا القیاس ترکی میں بھی یہی مسائل زیر غور ہیں۔ اس پر ایک آدھ کتاب بھی تصنیف ہو چکی ہے اس میں زیادہ تر زمانہ حال کے مغربی اصول فقہ کو ملحوظ رکھ کے فقہ اسلامی پر بحث کی گئی ہے ......[۳۶] میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ حال کے جورسپروڈنس پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرآنیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہوگا''۔ [۳۷] [۱۹۲۵ء تک اقبال تمام مطالعات مغربی فکر و فلسفے کو منہاج اصلی بنا کر کرتے تھے اور مغرب کو ہی میزان سمجھتے تھے، اس لیے یہاں بھی مغربی اصول فقہ کو فقہ اسلامی پر ترجیح دے رہے ہیں لیکن بعد میں ان کا نقطۂ نظر مکمل طور پر تبدیل ہو گیا اور میزان اسلام قرآن اور سنت ہو گئی، ساحل]

اس موقع پر بے محل نہ ہوگا کہ علامہ نے یہاں مصر اور ترکی کے جن مباحث کا ذکر کیا ہے ان کا اجمالی تعارف پیش کر دیا جائے۔

ان مباحث کا پس منظر تاریخ اسلام کا وہ اہم ترین واقعہ تھا جب ترکوں نے ۱۹۲۴ء میں خلافت کے خاتمہ کا اعلان کیا۔ اس سے ترکی اور مصر میں تحقیق و مباحث کا آغاز ہوا۔ مفتی محمد عبدہ کے شاگرد علی عبدالرازق جو ازہر کے علاوہ یورپ سے فارغ التحصیل بھی تھے۔ انھوں نے ۱۹۲۵ء میں اسلام کے اصول ریاست پر تفصیلی کتاب لکھی۔ اس میں انھوں نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ آیا خلافت کا قیام ضروری ہے اس بات کے لئے دلائل پیش کئے کہ خلافت دین اسلام کا لازمی حصہ نہیں۔ انھوں نے قرآن حدیث اور تاریخ سے تفصیلی دلائل دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ رسول اللہ کی بعثت کا مقصد ریاست کا قیام نہیں تھا بلکہ حقیقت مطلقہ کی تبلیغ اور مکارم اخلاق کا اتمام تھا۔ اس کتاب کی علمائے ازہر کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی اور ایک باقاعدہ اجلاس میں ان کی مذمت کرتے ہوئے کسی قسم کا عہدہ سنبھالنے کے نااہل قرار دیا۔ اس وضاحت کے بعد ہم پھر اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں ان خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبالؒ اگرچہ مولانا احمد دین امرتسری کی اہلیت کے قائل تھے تاہم اجتہاد کے موضوع پر ان سے تبادلہ خیالات سے کسی فائدہ کی امید نہیں سمجھتے تھے۔ تاہم تعجب یہ ہے کہ مولانا احمد دین صاحب سے جن کے بارے میں ان کا یہ گمان تھا کہ وہ مسائل فقہ سے

واقف ہیں اور عالمِ اسلام میں لکھی گئی کتابوں سے آگاہ ہیں تبادلۂ خیالات کے بارے میں ہچکچا رہے تھے لیکن مولانا عبدالماجد دریا بادی اور سید سلیمان ندوی سے باقاعدہ خط و کتابت کی اور رائے بھی طلب کی۔ [اس ہچکچاھٹ کا سبب یہ تھا کہ اقبال پر اہل قرآن کی حقیقت آشکار ہو گئی تھی، انھیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ احمد دین صرف تین نمازوں کے قائل ہیں. اقبال کے ایک آدہ خط سے اہل قرآن جو فائدہ اٹھا رہے تھے وہ بھی اقبال کے پیش نظر تھا اس لیے اقبال اس ملاقات سے گریزاں تھے تاکہ ان کی شخصیت سواداعظم کی نظر میں متنازعہ نہ ٹھہرے، ساحل]

مولانا ماجد خطبہ اجتہاد پر شدید نقد:

مولانا دریا بادی کو تو علامہ نے مقالے کا مسودہ ارسال کیا کہ اس پر اپنی رائے دیں۔ انھوں نے کیا رائے دی اس کا تو علم نہیں ہو سکا لیکن علامہ نے ۲۲ ر مارچ ۱۹۲۵ء کو انھیں جو خط لکھا جس میں انھوں نے مقالے کا مسودہ واپس مانگا ہے اس میں علامہ کی مایوسی اور شکستہ دلی کا اظہار ملتا ہے۔ علامہ نے لکھا:

> ''آپ کا نوٹ پڑھ کر مجھے تعجب ہوا۔ معلوم ہوتا ہے عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ نے وہ مضمون سرسری نظر سے دیکھا ہے بہر حال میں آپ کا خط زیرِ نظر رکھوں گا۔ مضمون کا مسودہ ارسال فرمایے۔ [۳۸]

کیا علامہ اقبال کو عربی پر عبور حاصل تھا؟

علامہ علماء سے مدد لیتے تھے؟ کیوں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا علامہ کو عربی زبان پر اتنا عبور تھا کہ وہ ان کتابوں سے آسانی سے استفادہ کر سکتے۔ اس سلسلے میں گمان غالب یہ ہے کہ علامہ اس سلسلے میں عربی دان حضرات سے مدد لیتے ہوں گے۔ اس کی تائید غلام جیلانی برق صاحب کی روایت سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ فقہی مسائل پر برق صاحب کے بڑے بھائی مولانا نور الحق صاحب سے مدد لیا کرتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ علامہ اقبالؒ متعلقہ مسئلے پر مولانا نور الحق صاحب سے فقہی کتب کا متن پڑھواتے، ترجمہ اور تشریح سنتے اور پھر مختلف سوالات کے ذریعے اس مسئلے کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔ برق صاحب نے یہ واقعہ نومبر دسمبر ۱۹۲۴ء میں بیان کیا ہے۔ [۴۱] جو کہ مقالہ کی تحریر کا زمانہ ہے۔ [سوال یہ ھے کہ جب اقبال ۱۹۲۴ء میں اسلام کی بنیادی کتابیں ایک مولوی صاحب سے پڑھ رہے تھے اور مسائل مشرقیہ و شرح مواقف براہ راست پڑھنے کی علمی استعداد نہیں رکھتے تھے تو کیا انھیں اس بات کا حق حاصل تھا کہ وہ اسلامی قانون پر کلام کرسکتے. حضرت اقبالؒ کو بہت

جلد اس غلطی کا احساس ہو گیا کیونکہ وہ مرد مومن تھے لہٰذا انھوں نے اپنے اس فعل سے رجوع کرلیا یہ رجوع اقبال اکادمی والوں کو سخت ناگوار ہے۔ اقبال کی عربی دانی کے سلسلے میں اقبالنامے سے حضرت اقبال کی شہادتیں ساحل کے شمارے ستمبر ۲۰۰۶ء میں جمع کر دی گئی ہیں، ساحل]

خطبہ اجتہاد میں اقبال کی حد درجہ احتیاط:

مندرجہ بالا سطور سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ نہ صرف یہ کہ مقالے کا موضوع نازک اور پیچیدہ تھا بلکہ مصادر کے بارے میں خاصی چھان بین کی ضرورت تھی اس لیے علامہ کو ایک طرف تو مقالے کی تیاری میں بہت دیر لگی دوسرے ان کو اپنے مضمون کے بارے میں شاید مکمل اطمینان بھی نہیں تھا، اس لیے وہ آخر تک احتیاط کرتے رہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ احتیاط کسرِ نفسی پر مبنی تھی، یا ایک عالم کی احتیاط تھی جو اپنے نتائج کو کبھی حتمی نہیں سمجھتا یا اس کی وجہ وہ اندیشہ اور ڈر تھا جس کا اظہار وہ اکثر کرتے آئے تھے کہ ان کے خیالات کو قدامت پسند ذہن قبول نہیں کریں گے۔[احتیاط کی وجہ صرف یہ تھی کہ اقبال کو علوم اسلامی پر عبور نہ تھا. خطوط اقبال اور سلیمان ندویؒ سے استفسارات کا متن بتاتا ہے کہ اقبال بنیادی فقہی مباحث سے ناواقف تھے اور مستشرقین پر بہت اعتماد کرتے تھے یہ بات انہیں بے چین رکھتی تھی، ساحل]

[خطبہ اجتہاد کے بارے میں ہمیں پہلی اطلاع ۱۹۲۲ء کے ایک خط سے ملتی ہے لہٰذا امکان ہے کہ یہ خطبہ علامہ اقبال نے ۱۹۲۰ء میں لکھنا شروع کردیا تھا، ساحل]

اقبال نے مقالے کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا:

علامہ اقبالؒ کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ مقالے کو وہ پذیرائی نہ مل سکی جس کا یہ مستحق تھا۔خصوصاً مولانا دریابادی کی تنقید سے وہ بہت دل برداشتہ ہوئے۔ اکثر یہ مرحلہ آیا کہ انھوں نے اس مقالے کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کے بجائے ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔صوفی غلام مصطفیٰ تبسم کے نام ۲ر ستمبر ۱۹۲۵ء کو لکھتے ہیں:

> ”کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک مضمون لکھا تھا۔مگر دورانِ تحریر میں اس کا احساس ہوا کہ یہ مضمون اس قدر آسان نہیں جیسے میں نے ابتداء میں تصور کیا تھا۔ اس پر تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے۔موجودہ صورت میں وہ مضمون اس قابل نہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں کیونکہ بہت سی باتیں جن کو مفصل

لکھنے کی ضرورت ہے اس مضمون میں نہایت مختصر طور پر محض اشارۃً بیان کی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک اسے شائع نہیں کیا۔ اب میں انشاء اللہ اسے ایک کتاب کی صورت میں منتقل کرنے کی کوشش کروں گا جس کا عنوان ہوگا Islam as I Understand it اس عنوان سے مقصود یہ ہے کہ کتاب کا مضمون میری ذاتی رائے تصور کیا جائے۔ جو ممکن ہے غلط ہو''۔[۴۲][سهیل عمر نے اس سوال کا جواب نهیں دیا که اقبال اس خیال کو عملی جامه کیوں نه پهنا سکے اور الگ کتاب لکهنے کے بجائے خطبات پر کیوں آماده هوگئے، اس معاملے کی تحقیق اقبال اکادمی پر بهت سے امور واضح کر دے گی، ساحل]

خطبہ اجتہاد پر تنقید کی نوعیت کیا تھی؟

اقبال کا مندرجہ بالا خط مولانا دریا بادی کی تنقید کے بعد کا ہے اگرچہ مولانا دریا بادی کو لکھے جانے والے خط کی طرح اس خط سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ مضمون پر تنقید کیا تھی۔ تاہم اس سے اشارۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً علامہ پر یہ تنقید کی گئی کہ انھوں نے اجتہاد کے بارے میں مسلمہ اقوال اور آراء سے ہٹ کر نئی باتیں کہی ہیں۔ چنانچہ اس لیے وہ کتابی صورت میں محض اپنی ذاتی رائے کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ اس کتاب کے لیے جو خاکہ آپ نے تیار کیا تھا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اجتہاد کا مسئلہ جزئی نہیں بلکہ اسے اسلام کے کلی تناظر میں رکھ کر ہی دیکھا جا سکتا ہے اس کے لیے اسلامی ادب کے وسیع مطالعے کی ضرورت ہے۔ وہ لکھتے ہیں انھوں نے قرآن کریم اور دوسرے اسلامی ادب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس مطالعے کے بعد وہ جن نتائج پر پہنچتے ہیں اسے اسلام کی حقیقی تعلیمات سمجھتے ہیں اور اسی کے مطابق وہ اس کتاب میں اپنے افکار پیش کریں گے۔[۴۳]

مولویوں کی طاقت سے اقبال خائف تھے:

سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کا ارادہ:

اوپر جن خطوط کا ذکر ہوا ان سے مقالے پر تنقید کا علم نہیں ہوتا، البتہ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی مدیر ''عبرت'' کو جو خط لکھا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مقالے کے بارے میں علامہ کو شدید مخالفت کا سامنا پڑا۔ حتیٰ کہ آپ کو کافر بھی کہا گیا۔[سهیل عمر اور خرم شفیق فرماتے هیں که اقبال کسی کی مخالفت سے نهیں ڈرتے تهے وه جو کهنا چاهتے تهے کهتے تهے. مولویوں کی پروا نهیں تهی لیکن دس سال تک خطبه اجتهاد پر نظر ثانی سهیل عمر کے

موقف کی تردید کرتی ھے، ساحل] سیاق وسباق کی وضاحت کے لیے اس خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

''آپ نے ٹھیک فرمایا ہے پیشہ ور مولویوں کا اثر سرسید احمد خان کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا، مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹکل فتوؤں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں میں پھر قائم کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسے میں پڑھا گیا۔ انشاء اللہ شائع بھی ہوگا۔ مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا، بہرحال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی۔ جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ ہندوستان میں بالخصوص آج کل بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا ہوگا''۔ [۴۴]

صوفی تبسم اور نجیب آبادی کے نام خطوط کا متن:

غور سے دیکھا جائے تو اس خط کا لہجہ بھی بدلا ہوا ہے اور اس کا زاویہ بھی مختلف ہے۔ صوفی تبسم کے خط میں مقالہ کی اشاعت کے بارے میں ہچکچاہٹ کا اظہار ہے تو اس خط میں اسے شائع کرانے کا عزم ہے۔ صوفی تبسم کے خط میں لہجہ اعتذاری ہے اور اس میں اپنی مذہبی معلومات کی کمی کا اعتراف کرتے ہوئے علماء کی برتری تسلیم کی ہے۔ اس کے برعکس یہاں علماء کے اس طبقے پر تنقید ہے جنھوں نے دین کو پیشہ بنایا ہوا ہے۔ پہلے خطوں میں اس کا ذکر نہیں کہ مولویوں نے علامہ اقبال پر کفر کا فتویٰ لگایا جب کہ اس خط میں اس کا ذکر ذاتی تجربے کے طور پر کیا ہے۔ [اس سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ خطبات اور خطبہ اجتہاد کے حوالے سے بہت سی باتوں کا ذکر یقیناً اقبال نے اپنے خطوط میں نہیں کیا اور بے شمار واقعات سے ہم محروم ہوگئے ہیں. اقبال نے مختلف علماء سے استفادے ملاقاتوں کا ذکر بھی نہیں کیا ھے. یہ ملاقاتیں ان کے دل دردمند کی ترجمان ہیں، ساحل]

اکبر نجیب آبادی علماء کے اس طبقے سے سخت بے زار تھے جو قرونِ اولیٰ کے علماء کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔ نام نہاد علماء کو بے نقاب کرنے، حقیقی علماء کے مقام کو اجاگر کرنے اور علم اور علماء کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے نجیب آبادی صاحب نے معیار العلماء کے نام سے کتاب بھی لکھی تھی۔ [۴۵]

کیا اقبال نے قابل اعتراض حصے نکال دئے تھے؟

تاہم یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ اس مقالے پر تنقید اور لوگوں کے ردِعمل کا علم محض علامہ

کے خطوط سے ہوتا ہے کوئی خارجی شواہد نہیں ملتے جن سے ثابت ہو کہ مقالے کی وجہ سے علامہ کی مخالفت ہوئی ہو۔[سہیل عمر اس دلیل کے باعث علامہ کے خطبات سے رجوع کے معاملے کو مسترد کرتے ہیں، اس اصول کے تحت سہیل عمر اس مضمون کے تمام متن کو مسترد کرسکتے ہیں، ساحل] ممکن ہو وہ حصے جن پر اعتراض ہوئے ہوں نکال دیے گئے ہوں۔ صحیح صورتِ حال تو مقالے کے اصل مسودے کے ساتھ تقابلی مطالعے سے ہی معلوم ہوسکتی ہے۔ علامہ کے ہاں البتہ اس کا احساس بہت شدت سے ملتا ہے کہ یہ مضمون ان کے بس کا نہیں تھا، ان کی مذہبی معلومات محدود ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ علامہ کی زود حس طبیعت نے اکا دکا مخالفت کو مبالغہ آمیز رنگ میں دیکھا ہو۔ اس کا امکان اس لیے بھی ہے کہ علامہ نے نہایت حساس دینی گھرانے میں تعلیم پائی تھی اور ان کی روح اور ذہن بھی گہرے مذہبی تھے۔ چنانچہ وہ جب بھی اس مسلمہ اور روایتی طرز فکر سے ہٹ کر نئی بات کہتے ہوں تو ان کے اپنے ذہن میں ایک کشمکش پیدا ہوتی ہو اور وہ شدت سے محسوس کرتے ہوں کہ وہ اپنی ذات کے آبائی مذہبی تشخص سے وفاداری بشرطِ استواری نہیں کررہے۔

اقبال نے علماء کے خوف سے قدامت پسندی میں پناہ لے لی:

حقیقت یہ ہے کہ فکری سفر میں اسلامی تحقیقات خصوصاً مسئلہ اجتہاد اس زمانے میں ایسے موڑ پر آپہنچے تھے کہ فکری جرأت کے ساتھ ہی اسے آگے بڑھایا جاسکتا تھا۔[صرف جرات کافی نہیں علمیت اور علوم اسلامی میں رسوخ بھی لازمی ہے، ساحل] علامہ اقبالؒ اور ان کے فکری ہم سفروں نے جو سوالات اٹھائے تھے اور اسلامی قانون کو جمود سے نکال کر حرکت و ترقی کی طرف لے چلنے کا جو عزم کیا تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس عمل کو جرأت کے ساتھ آگے بھی جاری رکھتے۔ لیکن مذہبی طبقوں کی مخالفت کے اندیشے سے اور چند افراد کی تنقید سے دل برداشتہ ہوکر انہوں نے قدامت پسندی میں دوبارہ پناہ لے لی۔[سہیل عمر اور خرم شفیق علی اس اس نقطۂ نظر کو تسلیم نہیں کرتے، دونوں حضرات اس مضمون کے حوالوں کی روشنی میں اپنے موقف کا جائزہ لیں تو رجوع پر مجبور ہوں گے، ساحل]

بہرکیف وجوہات کچھ بھی ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ اجتہاد کی بات اس خود اعتمادی اور جرأت سے آگے نہ بڑھا پائے جس کی ضرورت تھی۔ بلکہ درحقیقت وہ دل برداشتہ یا خوفزدہ ہوکر فکری میدان سے آہستہ آہستہ ہٹتے گئے۔[سہیل عمر اقبال کو بے خوف ثابت کر رہے ہیں لیکن ان کے ادارے سے شائع ہونے والی کتابوں کے مباحث برعکس نتائج پیش کرتے ہیں، کیا اسے اقبال اکادمی کے اکابرین کا مزید فکری انتشار سمجھا جائے، ساحل]

حوالہ جات

[۱] محمد اقبال، علم الاقتصاد [کراچی اقبال اکادمی ۱۹۶۱] جناب ممتاز حسن اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔

[۲] محمد اقبال بانگِ درا [حصہ اول ۱۹۰۵ء تک] کلیاتِ اقبال [اردو] [لاہور، شیخ غلام علی، ۱۹۷۵،] ص ۱۰۷

[۳] بحوالہ سید عبدالواحد معینی، مقالات اقبال [لاہور، شیخ اشرف، ۱۹۶۳] ص ۵۴۔۵۵

[۴] بحوالہ سید عبدالواحد معینی، مقالات اقبال [لاہور، شیخ اشرف ۱۹۶۳ء] ص ۵۵

[۵] Annemarie Schimmel. gabriel's Wing [Brill. 1962] p.36.

[۶] بحوالہ ذیل:

B.A. Dar, Letters and Writing of Iqbal [Karachi, 1967] p.36.

[۷] S.A. Wahid, Thoughts and Reflectionsof Iqbla [Lahore. Ashraf, 1964] p.XIV

[۸] رشید احمد صدیقی ''بیاد اقبال''، جوہر، دہلی اقبال نمبر ۱۹۳۸ء یہی مقالہ بعد میں اقبال، شخصیت اور شاعری [لاہور، اقبال اکادمی ۱۹۷۶ء] میں شامل کیا گیا ہے یہ حوالہ ص ۱۳ سے ہے۔

[۹] شیخ عطاءاللہ، اقبالنامہ، جلد اول [لاہور، اشرف ۔ت۔ن] ص ۱۳

[۱۰] ایضاً

[۱۱] بی۔اے۔ڈار، انوار اقبال [کراچی، اقبال اکادمی ۱۹۶۷ء] ص ۲۸۵

[۱۲] رشید احمد صدیقی، بہ یاد اقبال، محولہ بالا THE IDEA OF IJTIHAD IN THELAW OF ISLAM

[۱۳] اقبالنامہ، محولہ بالا، ص ۱۳۱

[۱۴] ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی علامہ اقبال کے مدراس کے لیکچروں کا پس منظر ''امروز'' لاہور اشاعت ۲۲ اپریل ۱۹۵۶ء

علامہ اقبال جناب غلام بھیک نیرنگ کے نام خط میں ۵ر دسمبر ۱۹۲۸ء کو لکھتے ہیں تین لیکچر امسال لکھے گئے ہیں تین آئندہ سال لکھوں گا اور مدراس ہی میں دسمبر ۲۹ یا جنوری ۳۰ میں دوں گا حیدر آباد دکن بھی ٹھہروں گا کیونکہ عثمانیہ یونیورسٹی کا تار آیا ہے کہ لیکچر وہاں بھی دیے جائیں۔ اقبالنامہ جا ول۔ ص ۲۱۱

[۱۵] زمیندار لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۲۴ء، ص ۳ میں ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان میں زمیندار کی پرانی فائلیں مطالعے کے لئے دستیاب ہیں۔

[۱۶] انوار اقبال، محولہ بالا ص ۳۱۷

[۱۷] فقیر سید وحید الدین، روزگارِ فقیر، جلد دوم، ص ۸۷

[۱۸] ڈاکٹر ممتاز حسن [مرتب] اقبال اور عبدالحق [لاہور۔ مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۳] ص ۶

[۱۹] رحیم بخش شاہین، اوراق گم گشتہ [علامہ اقبال کے بارے میں غیر مدون تحریریں] لاہور، اسلامک پبلیکیشنز ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۱۔۱۹۳

[۲۰] محمد حنیف شاہد، اقبال اور انجمن حمایت اسلام لاہور انجمن حمایت اسلام ۱۹۷۶ء، ص ۱۱۰

[۲۱] ایضاً ص ۱۱۳

[۲۲] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو محمد عالم مختار حق ''علامہ اقبال کے سفر کی روئداد اور خطبات'' نقوش شمارہ نمبر ۱۲۱۔ ستمبر ۱۹۷۷ء اقبال نمبر

[۲۳] ایضاً ص ۵۵۵

[۲۴] علامہ اقبالؒ کے سفر کی روئیداد اور خطبات''، نقوش شمارہ نمبر ۱۲۱، ستمبر ۱۹۷۷ء اقبال نمبر ص ۵۷۳

[۲۵] S.A. Vahid, Thoughts and Reflections of Iqbal [Lahore, Ashraf, 1964], p.XIV

[۲۶] ایم ایس ناز ''علامہ اقبال کے متعلق خصوصی انٹرویوز'' فکر و نظر، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء صفحات [۱۱۱۔۱۴۳] ص ۱۲۱

[۲۷] بحوالہ سید عبدالواحد معینی مقالات اقبال [لاہور، شیخ اشرف ۱۹۶۳] ص ۵۵

[۲۸] علامہ اقبال خطبات، محولہ بالا، ص ۱۶۴۔۱۶۵

[۲۹] بحوالہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی، مضمون محولہ بالا

[۳۰] ایضاً

[۳۱] رشید احمد صدیقی بہ یاد اقبال اور اقبالنامہ، ص ۱۳۱

[۳۲] ایضاً

[۳۳] اقبالنامہ، جلد اول ص ۴۶، ۴۷

[۳۴] انوار اقبال، محولہ بالا، ص ۱۹۹

[۳۵] علی عبدالرازق متوفی ۱۹۶۶ء نے ۱۹۲۵ء میں کتاب الاسلام واصول الحکم لکھی جس کی علمائے ازہر نے شدید مخالفت کی۔

[۳۶] ......

[۳۷] ......

[۳۸] اقبالنامہ، جلد اول، ص ۲۳۸

[۳۹] علامہ نے اس کا تلفظ [خطبات ص ۱۷۸] پر Sarkashi ''سرکشی'' کیا ہے۔ خطبات کے عربی

فارسی اور اردو تراجم میں اسے ''سرخسی'' لکھا گیا اور اس طرح اسے مشہور حنفی امام سرخسیؒ کی طرف منسوب کر دیا۔ مترجمین نے یہ ترجمے بلا تحقیق کر دیے حالانکہ علامہ اقبال نے اس کے نام کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ ان کا تعلق دسویں صدی سے تھا۔ امام سرخسی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے۔ دراصل علامہ کا اشارہ علامہ زرکشی کی طرف تھا اور گمان غالب ہے کہ علامہ نے یہ حوالہ کسی جرمن ماخذ سے لیا تھا کیونکہ جرمن زبان میں ''ز'' کے لیے ''s'' استعمال ہوتا ہے۔ ویسے بھی سرکشی کو سرخسی پڑھنا خاصا دور کی کوڑی لانا ہے۔ **[اقبال کے مطالعات علوم اسلامی کا ماخذ عموماً غیر عربی کتابیں تھیں خصوصاً مستشرقین سے استفادہ کرتے تھے تاکہ ان کے اتہامات دیکھ سکیں. اقبال کا علوم اسلامی پر بیشتر نقد مستشرقین سے استفادہ کے سوا کچھ نہیں، ساحل]**

[۴۰] ان کتابوں کی اشاعت کی خبر ندوۃ المصنفین اعظم گڑھ کے ماہنامہ معارف میں شائع ہوئی ہے۔

[۴۱] بحوالہ اوراق گم گشتہ محولہ بالا، ص ۱۹۰

مولوی نور الحق سے عربی کتابوں میں مدد لینے کی توثیق علامہ اقبالؒ کے سید سلیمان ندوی کے نام ایک خط سے بھی ہوتی ہے جس میں انھوں نے لکھا۔ [خط نمبر ۲۸ رمورخہ ۲۲ راگست ۱۹۲۲ء]

''فی الحال میں مولوی نور الحق صاحب کی مدد سے مباحث مشرقیہ دیکھ رہا ہوں اس کے بعد شرح مواقف دیکھنے کا قصد ہے'' البتہ اسی خط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ مدد مباحث کے سمجھنے تک تھی۔

[۴۲] اقبالنامہ، جلد اول، ص ۴۶۔۴۷

[۴۳] بحوالہ اوراق گم گشتہ، صفحات ۴۵۱۔۴۵۸

[۴۴] انوار اقبال، محولہ بالا، ص ۳۱۷

[۴۵] اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، معیار العلماء [نجیب آباد، مکتبہ، عبرت، ۱۹۳۵ء]

[۴۶] مکتوبات نذیر نیازی، ص ۱۱۸۔۱۱۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ روڈز لیکچرز کی دعوت علامہ کو ۸ رنومبر ۱۹۳۳ء کو موصول ہوئی تھی اور اقبال نے ''زمان و مکان کا فلسفہ اسلام کی تاریخ میں'' موضوع منتخب کیا تھا۔ یہ وہی موضوع ہے جس پر اقبال نے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۸ء میں کچھ لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اور اس کا لوازمہ حاصل کرنے کے لیے مسلسل سلیمان ندوی سے مراسلت کی تھی اور اگست ۱۹۳۳ء میں ایک دن ایک ہی تاریخ کو سلیمان ندوی اور پیر مہر علی گولڑہ کو خطوط لکھے گئے جس میں ان سے درخواست کی گئی کہ وہ ابن عربی کی کتب میں تصورات زمان و مکان کی نشاندہی فرمائیں۔ پیر مہر علی کو اقبال نے یہ لکھا کہ وہ برطانیہ لیکچر دینے جارہے ہیں اس لیے فوری دست گیری کی جائے جب کہ برطانیہ میں کوئی لیکچر نہیں تھا۔ اقبال اس موضوع پر کچھ لکھ رہے تھے جس کا اظہار ۷ رمارچ ۱۹۲۸ء کو سلیمان ندوی کے نام خط میں کیا گیا ''میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان ''زبان کی حقیقت فلسفہ اسلام'' میں

ہے خط کا جواب جلد دیجیے۔ اگر روڈز لکچر سے اس خط کی مناسبت پیدا کی جائے تب بھی روڈز لکچر کا دعوت نامہ نومبر ۱۹۳۳ء میں آیا ہے۔ پیر مہر علی اور سلیمان ندوی کے نام خطوط ۸ر اگست ۱۹۳۳ء کو لکھے لکھئے مسئلہ زمان پر مضمون ۱۹۲۸ء میں اقبال لکھ رہے تھے اور ۸ر اگست ۱۹۳۳ء کو سلیمان ندوی سے پوچھتے ہیں، حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقت زمان کی بحث کس کس جگہ ہے حوالے مطلوب ہیں۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی اس پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے آگاہ کیجیے متکلمین کے خیال سے حقیقت زبان یا آن سیال پر مختصر اور مدلل بحث کونسی کتاب میں ملے گی؟ کیا محمود جونپوری کے علاوہ بھی فلاسفہ ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے، ان کے اسمائے گرامی سے مطلع فرمایے، اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی سید سلیمان ندویؒ کے نام خط میں ۱۹۲۲ء میں اقبال نے زمان و مکان کی حرکت کے مباحث سے یورپ کو اسلامی حکماء و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے متعارف کرانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ [خط ۲۸] مضمون اقبال ۲۸ میں لکھ رہے تھے لیکن نہ فلاسفہ کے نام معلوم نہ تصانیف کے نام کا علم۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۳ء تک پانچ سال کا عرصہ ہے، پانچ سال میں حضرت علامہ اقبال نہ فتوحات کا مطالعہ کر سکے نہ ابن عربی کی دیگر کتب کا، صرف خلاصے کا انتظار فرما رہے ہیں۔ ۸ر اگست ۱۹۳۳ء کو سلیمان ندوی کے نام خط کی عبارت آپ پڑھ چکے، اب ۸ر اگست ۱۹۳۳ء کو پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے نام خط کی عبارت پڑھیے:

''اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیش نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جا سکے............

اب پھر انگلستان جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔ نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں، جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر ان سوالات کا شافی جواب مرحمت فرمایا جائے۔

[۱] اول یہ کہ حضرت شیخ اکبر نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور ائمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے؟ [۲] یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتابوں میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کر سکوں۔ [۳] حضرات صوفیا میں سے اگر کسی اور بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں.......... چونکہ مقصود خدمت اسلام ہے مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب مجھے معاف فرمائیں گے۔ [خط نمبر ایک پیر مہر علی کے نام۔ ادھر سید سلیمان ندوی سے اسی تاریخ میں حقیقت زماں پر ابن عربی کے افکار کا خلاصہ طلب کیا جا رہا ہے ادھر مہر علی صاحب کو لکھا جا رہا ہے کہ ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو کھٹکھٹا سکوں۔ ۱۹۳۳ء میں اقبال نے روڈز لکچر کے لیے ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۸ء والا موضوع منتخب کر لیا۔ [خط ۲۸، خط ۴۱] اقبال اکادمی نے خط نمبر ۲۸ میں بھی تحریف کی ہے، چونکہ اقبال اور سلیمان ندویؒ نے ابن عربی کا ملخص اقبال کو عطا نہیں کیا لہٰذا اقبال کو روڈز لکچر کا موضوع مشکل اور دقیق لگ رہا تھا جب کہ اس موضوع کا انتخاب اقبال نے خود کیا تھا، اس تفصیل سے یہ بات مترشح ہے کہ اقبال کو علوم اسلامی، شاہ ولی اللہ، امام غزالی، ائمہ اربعہ، فقہا اور ابن عربی کی کتب پر عبور نہیں تھا، ساحل]